ناولٹ

تمنائے دل ہو تم

فرحت انصاری

دوسرا اور آخری حصہ

شادی کو دو ماہ ہونے کو تھے۔ وہ دوسری بار میکے آئی تھی، وہ بے حد خود سر و ضدی ہوتی جا رہی تھی۔ اسے اپنی فیملی سے نفرت محسوس ہوتی تھی، اس کا دل کسی سے ملنے کو نہیں چاہتا تھا، وہ سب کو اپنی خوشیوں کا قاتل سمجھنے لگی تھی۔ وہ شاید آج بھی نہ آتی اگر دادو نے فون کر کے نہ بلوایا ہوتا۔ وہ اس کے لیے بہت اداس ہو رہی تھیں۔

اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا۔

''ارے اپنی آہنہ آئی ہے۔'' جو بھی آتا لاؤنج میں دادو کے پاس خفا سی بیٹھی آہنہ کو دیکھ کر محبت بھرا نعرہ

www.zemtime.com
ZEMTime.com

لگاتا اور وہیں جم جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب جمع ہوگئے تھے۔ اس سے طرح، طرح کے سوال کیے جا رہے تھے۔ وہ جن کے بددلی سے جواب دے رہی تھی پانچوں بھابیوں میں سے تین میکے گئی ہوئی تھیں، دونوں بھابیاں شوہروں کی اس سے دلی وابستگی کا عالم جانتی تھیں، اسے میکے میں خصوصی پروٹوکول دیا جا رہا تھا۔ اس کی پسندیدہ ڈشز بنائی جا رہی تھیں۔

''ہوں یہ سارا ڈھکوسلا ہے۔'' وہ زہر خند انداز میں سوچتی نفرت سے ہنکارا بھرتی بیزار صورت لیے ٹکر، ٹکر سب کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ سب کے سوالوں کے جواب ہوں، ہاں میں دینے پر مجبور تھی۔ گھر کے بڑے اس کے بدلے تیور نوٹ کر رہے تھے۔ آہنہ کو کسی کی کوئی پروا نہیں تھی۔

''جب میری خوشیوں کی کسی کو فکر نہیں ہے تو میں کسی کی پروا کیوں کروں.....'' چھوٹی تائی کی عادت ٹوہ لینے کی تھی ان کی تیز چبھتی و جانچتی نظریں آہنہ کو اپنے وجود کا ایکسرے کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ آہنہ ان کی نظروں کے ارتکاز پر زہر خند ہوئی اور نفرت سے سر جھٹکا۔

''آہنہ، عبدالمعید تمہیں لینے آئے گا یا تم خود جاؤ گی.....'' اسے عبدالمعید باہر سے ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا اس نے مروتاً بھی اسے اندر آنے کا نہ کہا تھا۔ متجسس نظروں سے اسے دیکھتی چھوٹی تائی کی زبان میں کھجلی ہوئی تھی۔

''چھوٹی تائی کیا میں یہاں اب نہیں رہ سکتی ہوں.....؟'' آہنہ بدلحاظ و بدتمیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے بدتمیزی سے الٹا سوال داغ دیا تھا۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں بیٹا۔ میکے پر بیاہی بیٹیوں کا بھی حق ہوتا ہے۔'' چھوٹی تائی کھسیانی ہو کر مسکرائی تھیں۔ آہنہ کے تیور کڑے تھے۔ وہ کبھی بدتمیز یا منہ پھٹ نہیں رہی تھی اور بڑوں کے آگے بولنا تو اسے آتا ہی نہیں تھا۔ نارسائی محبت نے اسے دہکتا انگارہ بنا دیا تھا، زبان شعلے برسانے کو تیار رہتی۔ اور ہر کوئی اسے اپنی محبت کا دشمن نظر آتا۔ اسے تو نوید (وقاص کے والد) سے بھی نفرت تھی۔ اگر وہ مان جاتے تو معاملہ بالکل برعکس ہوتا۔

''مما آپ کو بابا بلا رہے ہیں۔'' چھوٹی تائی کو بھائی چھوٹے تایا کا پیغام پہنچا کر لوٹ گئیں۔ وہ سر ہلاتی اٹھ گئیں۔ وہ جاتے، جاتے تیکھی نگاہ آہنہ پر ڈالنا نہ بھولی تھیں۔ آہنہ نے نگاہِ غلط بھی ان پر ڈالنا گوارا نہ کیا تھا۔

''تم خوش تو ہو ناں میری بچی.....؟'' دادو نے تنہائی پاتے ہی آہنہ سے سوال کیا تھا۔

''آپ سب نے میری خوشی کا کون سا خیال رکھا ہے جو مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔'' آہنہ تو جیسے جلتے توے پر بیٹھی تھی۔ بدلحاظی اس کے مزاج کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔

''آہنہ بیٹا..... عبدالمعید بہت اچھا بچہ ہے۔'' وہ آج تک اس کی عبدالمعید سے نفرت کی وجہ نہیں جان پائی تھیں۔ وہ کچھ بتانے پر تیار ہی نہیں ہوتی تھی۔ بس ہر وقت انگارے چبائے رکھتی تھی۔

''ہوں.....'' وہ تفتیشی سوالات سے عاجز آگئی تھی۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دادو کی پُرتشویش نظریں اس پر جمی تھیں۔ وہ اپنے فیصلے پر متفکر تھیں۔ نہ جانے اس لڑکی نے کیا ٹھان رکھا تھا۔ ان کا دل دہل کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''تم سے کس نے بائیک لانے کو کہا تھا۔'' شام کو عبدالمعید اسے بائیک پر لینے آگیا تھا۔ وہ جتنا اس سے فاصلہ رکھنا چاہتی تھی عبدالمعید اتنا ہی قریب آنے کی کوشش کرتا تھا۔ نہ غصہ، نہ جھنجلاہٹ اور نہ ہی ناراضی..... وہ سب سے مل کر پورچ میں آئی تو بائیک دیکھتے ہی بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔ وہ میرون کلر کے سوٹ میں ملبوس لال بھبوکا چہرہ لیے عبدالمعید کو بے حد بھلی لگی تھی۔

''آہ.....'' آہنہ نے عبدالمعید کی محویت پر اس کے پاؤں پر غصے سے چپل ماری تو وہ کراہ کر رہ گیا۔

''میں نہیں جا رہی ہوں بائیک پر.....'' وہ صاف انکار کرتی ہوئی پلٹ گئی تھی۔

''میں نانو سے کہتا ہوں کہ آہنہ نہیں جانا چاہتی۔'' عبدالمعید اسے چڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ بری طرح زچ ہوئی تھی۔ وہ رک گیا تھا۔ اسے دادو سے ڈانٹ

www.zemtime.com

سننے کا کوئی شوق نہیں تھا، وہ تو اس کی تعریفیں کرتی نہ تھکتی تھیں۔ وہ اسی کو لتاڑ کر رکھ دیتیں۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر بائیک پر سوار ہوگئی۔ یہ بھی بے رخی کا اِک انداز تھا۔ عبدالمعید اس کی نفرت سہہ کر بھی عادی نہ ہوا تھا۔ اس کی بے رخی ہر بار اِک نیا درد دیتی تھی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ دل اس کی قربت کا متمنی تھا۔ وہ بائیک کی چابی لہراتا ہوا مسکرا کر آگے بڑھ گیا تھا۔ آہنہ نے تپ کر اسے شعلہ بار نظروں سے گھورا تھا۔ اس کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

☆☆☆

آہنہ کا رویہ سرد سے سرد ہوتا جا رہا تھا۔ اب گھر والے بھی نوٹس کرنے لگے تھے۔ اس روز بھی وہ اپنے کپڑے خود ہی پریس کر کے تیار ہو رہا تھا، پہلے تو بہنیں کر دیتی تھیں مگر جب سے شادی ہوئی تھی انہوں نے یہ سمجھ کر اب آہنہ بھابی یہ کام کریں گی چھوڑ دیا تھا مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا۔ بہر حال عبدالمعید نے بغیر کچھ کہے سنے خود ہی کپڑے پریس کرنا شروع کر دیے تھے۔ آج بھی وہ دفتر جانے کے لیے تیار ہوا اور سوئی ہوئی آہنہ پر ایک نگاہ ڈال کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''آہنہ نہیں جاگی ابھی.....'' وہ جونہی ٹیبل پر پہنچا اسلم صاحب نے استفسار کیا تھا۔ وہ بہو کے بدلے تیور نوٹ کر رہے تھے۔ انہیں آہنہ کی غیر موجودگی کھٹکی تھی۔

''بابا وہ سو رہی ہے۔'' عبدالمعید نے بہانہ گھڑا تھا۔ اس کی بے اعتنائی بڑھتی جا رہی تھی وہ ہر وقت جھنجلائی رہتی تھی۔

''بیٹا اسے اب تو اس وقت یہاں ہونا چاہیے۔ کافی دن گزر گئے ہیں شادی کو..... اب تو اس گھر کے طور طریقے سیکھنے پڑیں گے۔'' حمیرا کو بھی اس کی غیر موجودگی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ عبدالمعید اس پر جان چھڑکتا تھا۔ انہوں نے بہت ارمانوں سے بھتیجی کو بہو بنایا تھا اور وہ سب سے بیگانگی و بے رخی برت رہی تھی۔ حتیٰ کہ عائلہ اور نائلہ سے بھی ضرورتاً بات کرتی۔ حمیرا پھپھو اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر پریشان ہوتیں۔ شادی کو کچھ ماہ ہوئے تھے وہ ابھی سے اس پر روک ٹوک نہیں کرنا چاہتی تھیں جبکہ آہنہ کی رکھائی

خدارا۔۔۔ خدارا

شوگر کے مریض

مایوس نہ ہوں۔ کیونکہ مایوسی تو گناہ ہے۔ ہم نے طویل ریسرچ کے بعد دیسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں سے ایک خاص قسم کا ہربل۔ شوگر نجات کورس۔ تیار کیا ہے۔ جس سے انشاء اللہ آپ کو شوگر سے مستقل نجات مل سکتی ہے۔ شفا من جانب اللہ پر ایمان رکھیں۔ شوگر انسانی جسم کے اعصاب کو دیمک کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا۔ کمزور۔ بے جان بنا کر اعصابی کمزوری۔ جوڑوں کی درد اور ہر وقت کی تھکاوٹ سے بے بس۔ لاچار اور ناکارہ بنا دیتی ہے۔ آج ہی فون پر اپنی شوگر کی تمام علامات سے آگاہ کر کے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی VP شوگر نجات کورس منگوا لیں۔ خدا کیلئے آپ ایک دفعہ ہمارا شوگر نجات کورس آزما کر تو دیکھ لیں۔ آج ہی فون کریں۔

المسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)
ضلع حافظ آباد پاکستان

فون صبح 10 بجے تا رات 9 بجے تک
0300-6526061
0301-6690383

www.zemtime.com

بڑھتی جارہی تھی۔

''مما..... بابا آپ ناشتا کریں۔ رات اس کے سر میں بھی درد تھا۔'' عبدالمعید نے بروقت بہانہ گھڑا تھا وہ انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ اس کا دل بھی خواہش مند تھا کہ وہ اسے مسکرا کر آفس کے لیے وداع کرتی۔

''حمیرا تم ناشتے کے بعد اسے دیکھ لینا۔'' اسلم صاحب حکمرمندی سے انہیں ہدایت کرتے ناشتا کرنے لگے.... عبدالمعید ان سے آفس کے امور پر بات کرنے لگا۔ اس نے نامحسوس انداز میں سب کی توجہ آہنہ سے ہٹالی تھی مگر وہ خود الجھے ذہن سے بابا کی بات سننے لگا تھا۔

☆☆☆

''مما چانپیں اور پسندے..... واہ بھئی.....'' عبدالمغیث کا ٹکٹ اور ویزا آچکا تھا اس کی کل صبح سعودیہ کے لیے فلائٹ تھی۔ حمیرا نے ڈنر پر اسپیشلی اس کی اور آہنہ کی پسند کا خیال رکھا تھا۔ آہنہ کو فرائڈ چانپ بے حد پسند تھیں۔ عبدالمغیث نے چٹخارا بھرتے ہوئے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑے۔ اس کے منہ میں گرما گرم چانپوں کی سوندھی خوشبو سے پانی بھر آیا تھا۔

''یہ میری آہنہ کی پسند ہے۔'' انہوں نے لاڈ سے آہنہ کو دیکھا۔ اسے بھی اشتہا انگیز خوشبو بھائی تھی۔ وہ ڈش ٹیبل پر رکھ کر عبدالمغیث کے کندھے پر ہلکی چپت لگاتی اپنی چیئر پر بیٹھ گئیں۔

''ہوں، آپ کو میری پسند کا کب سے خیال ہونے لگ گیا۔'' آہنہ زہر خند انداز میں سوچتے ہوئے زیرلب بڑبڑائی تھی۔ غصے و نفرت کی شدید لہر وجود میں پھیل گئی۔ درد نئے سرے سے جاگ اٹھا تھا۔ وہ جتنا غم بھلانے یا درد کم کرنے کی سعی کرتی حمیرا پھپھو اس کی کوشش پر پانی پھیر دیتیں۔ اس کے حسین چہرے پر بیزاری پھیلی ہوئی تھی۔ عبدالمعید کے حساس کانوں نے اس کی زیرلب بڑبڑاہٹ کیچ کرلی تھی۔ وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں نفرت بھری ہوئی تھی۔ اس کا دل یک دم اچاٹ ہوگیا۔ آنکھوں میں کرب و اذیت سے آنسو اکٹھے ہونے لگے۔ جنہیں ضبط کرنے کی کوشش میں اس نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے کچل ڈالا تھا۔ زخم اُدھڑ گئے تھے۔

''آہنہ بیٹا تم کھانا کھاؤ.....'' وہ بددلی سے خالی پلیٹ لیے سوچوں میں گم تھی۔ اسے پھپھو نے ٹوکتے ہوئے ڈش بڑھائی۔

''تھینک یو..... مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے محض ان کی ضد میں اپنی پسندیدہ ڈش کھانے سے انکار کرتے ہوئے بریانی پلیٹ میں ڈال لی تھی۔ اس کا لہجہ بے حد روکھا اور دھیما تھا۔ حمیرا متعجب ہی رہ گئیں۔ وہ تو چانپ کی شوقین تھی۔

''آہنہ بھابی لے لیں ناں..... یہ میرے لیے مما کی ٹریٹ ہے۔'' عبدالمغیث نے بصد اصرار چانپ اس کی پلیٹ میں ڈال دی۔ وہ بادلِ ناخواستہ کھانے لگی تھی کہ اور کوئی تماشا نہ کھڑا ہو جائے۔ عبدالمعید پل، پل اس کی بدلتی کیفیت دیکھ کر خود پر ضبط کیے بیٹھا تھا۔ اسے مما سے بدتمیزی کرنا پسند نہیں آئی تھی۔ وہ بمشکل خود کو کمپوز کیے اپنی پلیٹ پر جھک گیا تھا۔

☆☆☆

''تمہیں کسی نے دوسروں سے بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی۔'' اگلے روز عبدالمغیث کی فلائٹ تھی۔ عائلہ اور نائلہ نے کالج سے چھٹی کرلی تھی۔ اسے سب ائرپورٹ چھوڑنے جارہے تھے۔ عائلہ اسے بلانے آئی تو اس نے جانے سے صاف انکار کردیا تھا۔ گاڑی میں جگہ کم تھی۔ ایک گاڑی میں تو عبدالمغیث کا سامان تھا اور وہ خود ڈرائیو کررہا تھا جبکہ دوسری میں مما، بابا، عبدالمتین..... عائلہ اور نائلہ تھے۔ اس کے انکار پر مما نے عبدالمعید کو بھی جانے سے روک دیا تھا۔ وہ عبدالمغیث کو پورچ تک چھوڑ کر پلٹ گئی تھی۔ عبدالمعید کو اس کا صاف انکار کرنا بے حد کھلا تھا۔ وہ اس کے پیچھے آیا تو آہنہ کچن سے نکل رہی تھی، ہاتھ میں بھاپ اڑاتا گرما گرم کافی کا کپ تھا۔ وہ خفگی سے اس کی راہ میں حائل ہوگیا تھا۔

''ہٹو میرے راستے سے۔'' آہنہ غصے سے کھول اٹھی تھی۔

www.zemtime.com

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟" وہ آپ سے "تم" پر اتر آیا تھا۔ اس نے غصے سے آگے بڑھتی آہنہ کی کلائی پکڑ لی تھی۔ اسے آہنہ کا ساتھ نہ جانا پسند نہیں آیا تھا اس کے انکار پر عبدالمغیث بھی لمحہ بھر کے لیے بجھ گیا تھا۔ مما نے بھی محسوس کیا مگر وہ لوگ جلدی میں تھے اور جگہ کا بھی مسئلہ تھا۔ سو وہ بنا تاخیر کیے چلے گئے تھے۔

"آہنہ تمہیں خود سے وابستہ رشتے نبھانے نہیں آتے۔" عبدالمعید نے دوسرا اعتراض جڑا تھا۔ خود پر کڑا ضبط کیے کھڑی آہنہ کے وجود میں اشتعال کی تیز لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ پُراعتماد انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے گھورنے لگی۔

"مجھے بات کرنے کی تمیز بھی ہے اور رشتے نبھانے بھی آتے ہیں سن لو مجھے تم سے وابستہ رشتوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔" وہ آنچ دیتے گرم لہجے میں اونچی آواز میں بولی تھی۔

"تم آواز نیچی رکھو..... گھر میں ملازم بھی ہیں۔" عبدالمعید کی خودداری پر گہری چوٹ لگی تو وہ اسے قہر بار نظروں سے گھورتا ہوا غصے بھرے لہجے میں ٹوک گیا تھا۔

"چہ، چہ، چہ تم کیسے مرد ہو..... اتنا ڈرتے ہو۔" آہنہ کو اس کی بے بسی پر ہنسی آئی تھی وہ حظ اٹھاتی مسکراتی استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے اسے سائڈ پر تقریباً دھکیلتی آگے بڑھ گئی تھی۔

"میں تمہیں اپنی مردانگی دکھاؤں مسز آہنہ عبدالمعید....."

عبدالمعید نے اسے سختی سے بازو سے پکڑ کر اپنی سمت کھینچا تو اپنی رو میں آگے بڑھتی آہنہ جھٹکے سے اس کے سینے سے آ لگی۔ عبدالمعید کی گرم سانسیں اس کی گردن کو سلگانے لگی تھیں۔ اچانک افتاد پر کافی کا کپ زمین بوس ہو چکا تھا۔ لیکن کافی کے چھینٹے سے بھرے کپڑوں اور فرش کا نہ تو آہنہ کو خیال تھا اور نہ ہی... عبدالمعید کو پروا..... اس کی انا وہ بھی مردانہ انا کو چھٹانک بھر کی لڑکی نے چیلنج کیا تھا۔ وہ استحقاق بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آہنہ کے وجود میں سنسنی دوڑ گئی اس کا سارا طرّہ ہوا ہو گیا۔ وہ گھبراہٹ سے ہلکے، ہلکے کانپنے لگی تھی۔ لمحہ بھر میں دل و دماغ میں طرح، طرح کے وسوسے آنے لگے تھے۔

"چھوڑو مجھے....." اگلے پل ملازموں کی موجودگی کا احساس اسے قوت دے گیا۔ وہ اپنا بازو چھڑاتی تیزی سے اندر بھاگ گئی تھی۔ عبدالمعید کا گرم جوان لہو کنپٹیوں کو جھلسا رہا تھا۔ اس نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

☆☆☆

آنکھ میں چبھنے لگی ہے اب یہ بینائی مجھے
زندگی کس موڑ پر آخر تو لے آئی مجھے
بند ہیں سارے دریچے ایک بھی در وا نہیں
وحشتِ دل کس گلی میں آج لے آئی مجھے
سیکڑوں حصوں میں دیکھو بٹ گیا میرا وجود
کس قدر مہنگی پڑی ان سے شناسائی مجھے

اِک خوف کا عالم تھا کسی انہونی کے ٹھہر جانے کا خوف..... اک سراسیمگی سی تھی جو اسے مارے بے بسی کے کپکپا دیتی تھی۔ اِک وحشت تھی جو دل کو جکڑے ہوئے تھی۔

پورا وجود خوف میں جکڑا تھا۔ اس نے کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے لاکڈ کر لیا تھا۔ عبدالمغیث کی دوپہر کی فلائٹ تھی۔ گھر والوں کی واپسی سہ پہر تک ہوئی تھی چونکہ سبھی عبدالمغیث کے جانے پر اداس تھے سو کسی نے بھی آہنہ کی کمی محسوس نہیں کی تھی۔

عبدالمعید اس کے پیچھے نہیں آیا تھا دل کی ڈھارس کے لیے یہی کافی تھا۔ وہ کتنی ہی دیر سے دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے ساکت بیٹھی خلا میں گھورے جا رہی تھی۔

"میں تمہیں اپنی مردانگی دکھاؤں مسز آہنہ... عبدالمعید....." استحقاق بھرا جملہ اسے بار، بار یاد آتا اور ہر بار نئے سرے سے خوفزدہ کر دیتا۔ اس نے مرد کی مردانگی جگا کر بہت بڑی غلطی کی تھی جس کی اسے بھاری قیمت بھی چکانا پڑ سکتی تھی۔ اسے عبدالمعید کے ساتھ اسی کمرے میں سوتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔ نائلہ اسے رات کے کھانے پر بلانے آئی تو اس نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ بنا دیا وہ اس کا بجھا ہوا چہرہ اور سست وجود

www.zemtime.com

دیکھ کر پلٹ گئی اور پھر کسی نے اسے ڈسٹرب نہ کیا۔ گھڑی کی سوئیاں گیارہ بجا چکی تھیں۔ سب سونے کی تیاری کرنے لگے۔ رفتہ، رفتہ آوازوں کا شور تھمنے لگا تھا۔ ایکا ایکی خاموشی چھا گئی تھی۔ اندرونی داخلی دروازہ بند کرنے کی آواز آئی تو آہنہ کا دل اچھل کر خوف سے حلق میں آ گیا۔ بھاری قدموں کی آہٹ اب کمرے کے باہر آ کر تھم گئی۔ وہ بخوبی کسی کو دروازے کی ناب گھماتے ہوئے دیکھ سکتی تھی، سن سکتی تھی۔ اس کو عدم تحفظ کا احساس ستانے لگا وہ دوپٹا اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر بیٹھ گئی۔

چند لمحوں بعد پھر ناب گھمائی گئی اسے دروازہ تو کھولنا ہی تھا۔ کچھ دیر پہلے نائلہ کے آنے پر بھی اس نے دروازہ کھولا تھا۔ اب بھی وہ خود کو سنبھالتی ایک فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔ اور پھر اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ حسبِ توقع داخل ہونے والا وہی تھا۔ وہ اپنی جگہ آ بیٹھی۔ عبدالمعید اس پر ایک نگاہِ غلط بھی ڈالے بغیر فریش ہونے واش روم چلا گیا۔ پھر اس نے آ کر کلائی پر بندھی گھڑی کھول کر سائڈ ٹیبل پر رکھی اور جگ سے پانی... گلاس میں انڈیلنے لگا۔ سب کچھ حسبِ معمول تھا۔ مگر آہنہ کو اک نیا پن محسوس ہو رہا تھا۔ ہر لمحہ دل کو کسی انہونی کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

''مجھے طلاق چاہیے عبدالمعید.....'' آہنہ نے سرد برفیلے اور بے لچک لہجے میں اسے مخاطب کیا تھا۔ رات کی تاریکی بڑھ گئی تھی۔ ماحول مزید پر وحشت طاری ہونے لگی تھی۔ خاموشی کی دبیز تہ دونوں کی ہموار سانسوں کی آوازوں سے بوجھل ہونے لگی تھی۔ دل کسی گہرے پاتال میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ نیچے اور بہت نیچے.....

☆☆☆

فضا ساکن تھی، ہوا ٹھہر گئی تھی۔ اس کی مردانگی کو چھٹانک بھر کی لڑکی نے چیلنج کیا تو دل چاہا ساری دنیا کو تہس نہس کر ڈالے یا پھر خود کو برباد.....اس نے نہ جانے کب آہنہ سے محبت کی اسے بھی خبر نہیں ہوئی۔ خبر تو اس وقت ہوئی جب محبت، عشق کی سرحدوں کو چھونے لگی تھی۔ عبدالمغیث دوستوں جیسا بھائی تھا اس نے اس کا بھید پایا تو نہ صرف اسے منزل تک رسائی دلائی بلکہ مناسب وقت تک اس کے رازِ دل کا امین بھی رہا۔

اسے رشتے کا ذکر چھیڑنے پر آہنہ کے شدید ردِعمل کا علم ہوا تھا۔ چونکہ سب وجہ جاننے سے قاصر رہے تھے تو اس نے دل ہی دل میں خود سے عہد کیا تھا کہ وجہ چاہے کچھ بھی ہو، آہنہ کو بے انتہا محبت دے کر اس کا دل جیت لے گا۔ مگر شادی کے بعد سب کچھ اس کی امیدوں کے برخلاف ہوا تھا۔ وہ سب کچھ خاموشی سے سہہ رہا تھا۔ اس نے کسی کو آہنہ کی بدسلوکی کی بھنک تک نہ لگنے دی تھی۔ بابا نے اک آدھ بار سرسری ذکر کیا تو اس نے مناسب بہانے سے انہیں مطمئن کر دیا۔

شادی کو جیسے تیسے کئی ماہ گزر گئے۔ آہنہ کی... بدتمیزیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ حتیٰ کہ وہ اس کی فیملی کی چھوٹی، چھوٹی خوشیوں کو نظر انداز کرنے لگی..... عبدالمغیث کی دلی خواہش تھی کہ مما، بہنوں کے ساتھ بھابی بھی اسے ائرپورٹ چھوڑنے جاتی.....آہنہ کے صاف انکار پر اسی نے سب کو ''جگہ کی کمی'' پر قائل کر لیا تھا۔

عبدالمعید اس کی خواہش سے آگاہ تھا۔ اس نے آہنہ سے خفگی کا اظہار کیا تو اس نے ڈھٹائی سے الٹا اسی کو بے بھاؤ کی سنا ڈالیں۔

وہ اس سے خفا تھا۔ پہلی بار دل نے شدت سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنی بدسلوکی پر معافی مانگ کر اسے منا لے.....عبدالمغیث کی فلائٹ ایک گھنٹا لیٹ اڑی۔ گھر والوں کی واپسی شام ڈھلے ہوئی۔ سب تھکے ہوئے اور بھوکے تھے۔ آہنہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی۔ سب کھانا کھا کر سونے چلے گئے تھے۔ وہ بھی اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ اس کی ناراضی آہنہ کی... بے پروائی پر بڑھ چکی تھی۔ وہ غصہ ضبط کرتا خود کو نارمل کیے کمرے کا دروازہ کھولنے لگا۔ جونہی ڈور ناب گھمائی دروازہ اندر سے لاکڈ پایا۔

''کیسے مرد ہو تم.....؟'' اس کی یادداشت سے آہنہ کا ادھورا جملہ ٹکرایا۔ ضبط سے اس کا جبڑا بھینچ گیا۔ اسے شدید غصہ آ گیا۔ وہ دروازہ ناک کر کے دوسروں کو متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا سو اس نے دوسری بار قدرے

www.zemtime.com

زور سے ناب گھمائی۔ چند ثانیے بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر آ گیا۔

وہ اپنی مخصوص جگہ کے بجائے بیڈ کے کنارے پر مضطرب سی ٹکی تھی۔ احساسِ عدم تحفظ آہنہ کے وجود سے مترشح تھا۔ اس کا غصہ و خفگی بھک سے اڑ گئی۔ اسے اس لمحے آہنہ پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ نادان لڑکی نہ جانے اس کے متعلق کیا، کیا سوچ کر ہراساں ہوئی جا رہی تھی۔ اگر اسے آہنہ کی خلافِ مرضی کچھ کرنا ہوتا تو وہ کب کا اپنا استحقاق استعمال کر چکا ہوتا۔ وہ محبت میں زور زبردستی کا قائل نہ تھا۔

وہ دل میں ہلکا سا مسکراتا ہوا فریش ہونے واش روم چلا گیا۔ چند ثانیے بعد لوٹا تو وہ ہنوز اسی پوزیشن میں تھی۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھا تو وہ خود میں مزید سمٹ گئی۔ اسے آہنہ کو ستانے میں لطف آنے لگا۔ وہ خواہ مخواہ پانی پیتے ٹیبل کے قریب آ گیا جیسے ہی اس نے پانی گلاس میں انڈیلا اسی لمحے آہنہ نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں

''مجھے طلاق چاہیے عبدالمعید.....'' یہ الفاظ پگھلا ہوا سیسہ ہی تو تھے جو اسے جلا کر بھسم کر گئے تھے۔

اس کی سانس تک رک گئی تھی۔ احساسِ جدائی ہی جان لیوا تھا، وہ تو اس سے بچھڑ کر مر ہی جاتا۔ آہنہ کا لہجہ ہی نہیں چہرہ بھی پتھریلا تھا۔ وہ دل میں ٹھان چکی تھی اسے روکنا محال تھا۔ اس کی گلاس پر گرفت مضبوط ہوتی گئی۔ اور مضبوط اتنی کہ ہاتھ کی پشت پر نیلی سبز رگیں پھول کر ابھر آئی تھیں۔

☆☆☆

اگلی صبح بے حد ہنگامہ خیز تھی اس کی توقع کے بالکل برعکس.....گمان کی حدوں سے بھی باہر.....وہ جس بات کو کم سنجیدہ لے رہا تھا۔ آہنہ اسی بات کے لیے نفع و نقصان کی پروا کیے بغیر ناشتے پر مما اور بابا کو گھیرے بیٹھی تھی۔ عبدالمتین آفس، عائلہ اور نائلہ کالج جا چکے تھے۔ بابا کا ارادہ کچھ دیر بعد نکلنے کا تھا۔ وہ اکثر عبدالمعید کے ساتھ جاتے تھے۔

''پھپھو مجھے عبدالمعید سے طلاق چاہیے۔'' آہنہ سفا کی و سنگدلی کی انتہا پر تھی۔ اسے اس لمحے کسی کی بھی پروا نہیں تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ اس کے دل میں پھپھو کے لیے کدورت کچھ کم ہوئی تھی۔ وہ عبدالمعید کو نصیب کا کھیل سمجھ کر کڑوا گھونٹ سمجھ کر بھی پی نہیں پا رہی تھی۔ لیکن اسے اب عبدالمعید سے خوف بھی آنے لگا تھا۔ کسی انہونی کا خوف اسے وحشت زدہ کرتا تو دل بے اختیار یہاں سے بھاگ جانے کو چاہتا۔ سو اب اس نے حتمی فیصلہ انہیں سنایا تھا۔ اس نے نصیب پر صبر تو کیا ہی نہیں تھا۔ وہ جب عبدالمعید کو دیکھتی اسے وقاص یاد آ جاتا۔ عبدالمعید نے انجانے میں اس کے زخم مزید ہرے کر دیے تھے۔

''تمہیں اس سے کیا شکایت ہے؟'' شوہر کے لیے کپ میں چائے انڈیلتی حمیرا صبح سویرے بھتیجی کے مطالبے پر بھونچکا رہ گئیں۔ انہیں عبدالمتین آفس جانے سے پہلے عبدالمغیث کے بخیریت مکہ پہنچنے کی اطلاع دے کر گیا تھا۔ وہ شکرانے کے دو نوافل ادا کر کے آئی تھیں کہ آہنہ نے ان کا سارا سکون و خوشی غارت کر دی۔

''مجھے اس کے ساتھ رہنا ہی نہیں ہے پھپھو۔''

عجیب بے بسی سی بے بسی تھی۔ وہ وقاص کے بحالتِ مجبوری چھوڑ جانے پر کسی کو بھی عبدالمعید سے شادی سے انکار کی وجہ بتانے سے قاصر تھی اور اب.....اب وہ طلاق کی وجہ بتاتے ہوئے بھی جھجک رہی تھی۔ اس کے پاس کہنے کے لیے الفاظ نہ تھے اور دل مزید اس کی سنگت سے انکاری تھا۔ اِدھر عبدالمعید نے ساری رات جاگ کر گزاری تھی۔ اس کی آنکھ صبح لگی تھی۔ وہ اس کی اس ''میٹنگ'' سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا۔

''بیٹا شادی بیاہ گڈے گڈی کا کھیل نہیں ہے، تمہیں کوئی شکایت ہے تو ہمیں بتاؤ۔ ہم اسے سمجھاتے ہیں۔'' اسلم صاحب کو اس کے بدلتے تیور اول روز سے ہی کھٹکتے تھے مگر وہ اپنا وہم سمجھ کر یہ خیال جھٹکتے رہے۔ ان کے وہم بدترین بھیانک حقیقت کی صورت اب سامنے تھے۔ انہوں نے بردباری سے اسے سمجھانا چاہا۔ اس کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی۔

''میں اپنا سامان پیک کر چکی ہوں اور کسی کو بھی

www.zemtime.com

وجہ بتانے کی پابند نہیں ہوں۔'' وہ بدلحاظی سے بولتی اپنا پیکڈ سامان اٹھا کر کمرے سے لے آئی۔

''تم ایسے نہیں جا سکتی ہو۔ ہم تمہاری فیملی کو بلواتے ہیں یا تمہیں خود وہاں چھوڑ آتے ہیں۔'' باوقار وضع دار اسلم کو بہو کا تنہا گھر سے اس طرح نکلنا بے حد کھل رہا تھا۔ انہوں نے سختی سے اسے تنبیہہ کی تھی۔ حمیرا اس کے انتہائی اقدام پر گنگ و ششدر رہ گئی تھیں۔ آہنہ بے پروائی سے کندھے اچکاتی صوفے پر ڈھر ہو گئی جیسے ان کے اگلے اقدام کی منتظر ہو۔ اس کا فیصلہ ناقابلِ ترمیم تھا۔

☆☆☆

صبح یہاں ہنگامہ خیز تھی تو دوسری طرف بھی قیامت ڈھانے والی تھی۔ ''سہیل ولا'' میں سبھی مرد حضرات کام کاج پر جانے کی تیاریاں کر رہے تھے اور خواتین ان کے لیے کچن میں ناشتا بنا رہی تھیں، گھر میں نو بجے سے پہلے کوئی ناشتا نہیں کرتا تھا۔ سہیل ولا میں فون کی بیل ہوئی۔ صبح سویرے غیر متوقع فون کال نے سب کی توجہ کھینچ لی تھی۔

''ہوں..... ہوں۔'' کال منجھلے تایا نے ریسیو کی تھی اور وہ گمبھیر سنجیدگی سے محض ہنکارا بھرے جا رہے تھے۔ خواتین کے دل دہلے جا رہے تھے۔ وہ فون بند کر کے صوفے پر ڈھے گئے۔ تائی فوراً ان کے لیے پانی کا گلاس لے کر آئیں۔

''کچھ بول بھی تو سہی۔'' دادو کا بوڑھا دل خوف سے سہا جا رہا تھا۔ بیٹے کی گمبھیر سنجیدگی ان کو پریشان کر رہی تھی۔

''اسلم کا فون تھا، آہنہ طلاق مانگ رہی ہے۔'' الفاظ تھے کہ بم..... دادو تیورا کر گرنے کو تھیں کہ بہوؤں نے انہیں سہارا دے کر بٹھایا۔

''ارے اس نادان کو ذرا عقل نہیں آئی۔ وہ میرے ہیرے جیسے عبدالمعید کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہے؟'' دادو رونے لگیں۔ انہیں خاندان کی عزت اور نواسے کے دکھ کی فکر تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ رشتہ اسی (عبدالمعید) کی پسند سے طے کیا گیا تھا۔ سلجھا ہوا بُردبار عبدالمعید نوجوان پارٹی کے لیے بھی آئیڈیل تھا، سب حیران تھے۔

''سعد گاڑی نکال، مجھے ابھی لے چل۔ میں اسے سمجھاتی ہوں۔'' دادو بے قرار تھیں۔ فرمانبردار پوتا فوراً تیار ہو گیا۔ معاملہ بھی تو نہایت سنجیدہ تھا۔

''میں بھی چلتا ہوں۔'' بڑے تایا بولے۔

''میں بھی جاؤں گا اور اسے اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر ماروں گا۔'' بابا کا غم و غصے سے برا حال تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی جا کر بیٹی کو جان سے ماردیں جو اُن کے ہنستے بستے آئیڈیل گھر کو بے سکون کرنے پر تلی تھی۔

''تم گھر میں ہی رکو، میں جاتا ہوں۔'' ان کا غیظ و غصہ سب کو ہولا گیا۔ ان سے کچھ بعید نہ تھی کہ وہ جاتے ہی بیٹی کے دو ہاتھ جڑ دیتے اور باغی بیٹی مزید بغاوت پر اتر آتی اور پھر بیٹی کی سسرال کا معاملہ بھی تھا۔ بڑے تایا نے سختی سے انہیں روک دیا۔

''بھیا مجھے مت روکیں۔'' وہ غصے سے بگڑے تھے۔

''وہ صحیح کہہ رہا ہے تم گھر میں ہی رکو۔'' دادو نے دبنگ و بارعب لہجے میں حکم دیا۔ وہ غصے سے پیر پٹختے کمرے میں چلے گئے۔ اس پل کسی نے بھی انہیں منانا مناسب نہ سمجھا۔ دادو، مما، بڑے تایا، تائی اور منجھلے تایا تائی، سعد کے ہمراہ بیک ہاؤس کے لیے نکل گئے تھے۔

☆☆☆

لاؤنج میں آہنہ سامان سمیت صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر حد درجہ سنجیدگی تھی اور سختی اتنی کہ اندر داخل ہوتے سبھی افراد اسے محض دیکھ کر رہ گئے۔ مما اسے سمجھانے آئی تھیں۔ وہ بھی خائف سی ہو کر رہ گئیں۔ عبدالمعید بھی اب وہیں تھا۔

''آہنہ تمہیں عبدالمعید سے کیا شکایت ہے بیٹا؟'' بُردبار و متحمل مزاج سعد بھیا نے دادو کا اشارہ پاتے ہی اس سے پوچھا تھا۔ داود کی جہاندیدہ نظریں معاملے کی گہرائی بھانپ چکی تھیں اور انہوں نے سعد کا بات کرنا مناسب سمجھا تھا۔

''سعد بھیا!'' سنگدلی و سختی بھائی نما کزن کی

www.zemtime.com

مشفق آواز پر پگھلنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی اکٹھی ہونے لگی۔ اسے اپنی کل کی اذیت ازسرِنو یاد آگئی۔ اس نے جس کرب و اذیت میں ساری رات گزاری تھی وہ ساری عمر اس کرب میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ بھاری پپوٹے اور ستا چہرہ ان کہی داستان چیخ، چیخ کر بیان کر رہا تھا۔ وہ روتے، ہوئے سعد کے گلے لگ گئی۔ لاؤنج میں آہنہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

''آہنہ رونا مسئلے کا حل نہیں ہے۔'' مما گھر کی چھوٹی بہو تھیں، وہ بڑوں کی موجودگی میں لاچار تھیں ورنہ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنی دختر کے دو جھانپڑ رسید کر دیں۔ وہ اپنی عاقبت نااندیشی میں اپنی جنت کو خود برباد کر رہی تھی۔ مما نے آہستگی مگر غصے سے اسے گھورا تھا۔

''سعد بھیا پلیز، مجھے عبدالمعید کے ساتھ نہیں رہنا ہے۔'' وہ روتے ہوئے ملتجی ہوئی تو سعد نے بہت بے بسی سے دادی اور والدین کو دیکھا۔ وہ سب بہت پریشان تھے۔

''سعد تم اسے سمجھاؤ۔'' دادو نے سعد کو مخاطب کیا اور نہ جانے سب کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا کہ وہ سب باہر چلے گئے حتیٰ کہ عبدالمعید بھی اپنے لہولہان وجود کو گھسیٹ کر لے جانے لگا تو سعد نے اسے روک لیا۔

''آہنہ شادی تمہاری رضامندی سے ہوئی تھی ناں۔ تم نے بخوشی ہاں کی تھی پھر اب ایسا کیا ہو گیا ہے کہ تم یہ سب کر رہی ہو؟'' سعد نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔ وہ شادی سے انکار کی کوئی ٹھوس وجہ بتا سکی تھی اور نہ ہی اب طلاق لینے کی۔ اس کا انکار خود بخود اقرار میں بدلا تھا پھر اب وہ ایسا کیوں کر رہی تھی۔ اگر سعد کو ایسی کسی انہونی کا گمان ہوتا تو وہ کبھی یہ شادی نہیں ہونے دیتا۔

''میں بتاتا ہوں سعد۔'' وہ خاموشی سے لب کچل رہی تھی مگر خاموشی ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتی اور نہ ہی سمجھداری کا تقاضا..... تبھی عبدالمعید بول اٹھا تھا۔ آہنہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کا سارا راز فاش ہو جاتا۔ وہ ہراساں و وحشت زدہ سی اسے دیکھنے لگی۔ نہ جانے وہ کیا، کیا کہے اور سعد بھیا کے سامنے اس کی عزت دو ٹکے کی ہو کر رہ جائے۔ وہ مضطرب سی پہلو بدل گئی۔

''اس مسئلے کا بہترین حل یہی ہے کہ آپ اسے... فی الحال یہاں سے لے جائیں۔'' وہ سعد سے فرینک تھا اور واقعی اسے حقیقت بتانے کو تھا کہ آہنہ کے فق چہرے پر نظر پڑتے ہی دل پسیج گیا اور اس نے بات بدل ڈالی۔

''لیکن عبدالمعید تم.....'' سعد بھیا بھونچکا رہ گئے۔ وہ عبدالمعید کی آہنہ کے لیے فیلنگز سمجھتے تھے۔

''میں اسے نہیں رکھنا چاہتا ہوں۔'' اسے آہنہ پر ترس ہی نہیں اس کی بے بسی پر ٹوٹ کر پیار بھی آیا تھا۔ جب وہ راہ بدلنے کا فیصلہ کر ہی چکی تھی تو وہ اسے کیسے عمر بھر اپنے ساتھ باندھ کر رکھ سکتا تھا۔ اس نے محبت کا بھرم رکھتے ہوئے دل پر بھاری سل رکھ لی تھی۔ کرب و اذیت رگیں چیر رہی تھی۔

مگر..... مگر اب مزید نہیں۔ وہ اسے کوئی دکھ یا

نظم

سالِ نو کی امیدیں
ابھی زرد رت چہار سو اپنے
پر پھیلائے بیٹھی ہے
دسمبر کا مہینہ تو اپنے ساتھ لایا ہے
ہجر کے نوحے، بڑے ہی دکھ جدائی کے
درختوں میں کھلے بوٹے، برف میں دفن ہیں سارے
کہر کی گہری چادر ہے جس میں زندگی گم ہے
مگر جب برف پگھلے گی
سرد موسم بیت جائے گا
بہاریں پھر سے آئیں گی
خوشیاں گنگنائیں گی
کھلیں گے پھول الفت کے

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

www.zemtime.com

درد دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا پھر اسے رسوا کیسے کرتا۔ وہ مصمم ارادہ کیے چٹانوں کی سی سختی سے سعد کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر گیا۔

''عبدالمعید تم ہوش میں تو ہو۔'' سعد بھیا جذباتی ہونے لگے۔ صورتِ حال غیر متوقع تھی۔ قصوروار عبدالمعید تھا یا آہنہ؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

''آپ اسے لے جائیں۔ میں جلد ڈرائیورس پیپرز بھجوا دوں گا۔'' محبت کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ محبوب کی بے اعتنائی نہیں سہہ پاتی اور بے رخی تو جیتے جی مار ڈالتی ہے۔ کیا فائدہ ہوتا ایسی سنگت کا جس میں زور زبردستی اور نفرت ہوتی۔ وہ محبوب کو ناخوش نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آنسو اس کے اندر قطرہ، قطرہ گر رہے تھے۔ آہنہ شاکڈ تھی۔ عبدالمعید اسے بری الذمہ کر کے خود پر سارا الزام لے گیا تھا۔ وہ حیران سی حیران تھی۔ یہ اس کا کون سا نیا روپ تھا۔ وہ اس شخص کے ہر نئے روپ پر یونہی حیران رہ جاتی۔ سعد بھیا اپنا سر پکڑ کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

رات ہنگامہ خیزی و وحشت کی انتہا تھی۔ اسے سب نے لعن طعن کی تھی اور مما اور بابا نے تو قطع کلامی اختیار کر لی تھی۔ آہنہ چلی گئی تھی۔ اس کی زندگی سے شاید ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے۔ اس نے آہنہ پر کوئی بات نہیں آنے دی تھی اور سب کی عدالت میں خود مجرم ٹھہرا تھا۔ بہن بھائی الگ لڑے تھے۔ صبح تک تو ایسا کچھ نہ تھا اور انہیں گھر واپسی پر یہ ہولناک خبر ملی۔ عبدالمغیث اسکائپ پر بہت خفا ہوا تھا اور اسے فوراً آہنہ کو منا کر لانے کو کہا تھا۔ وہ بھی تو کسی کو واضح الفاظ میں کچھ نہیں بتا رہا تھا۔ مبہم گفتگو کا لب لباب یہی بنتا تھا کہ وہ آہنہ کو خود چھوڑ رہا ہے۔ سب یقین کر سکتے تھے مگر عبدالمغیث نہیں۔ جبھی تو وہ جتنی دیر آن لائن رہا۔ عبدالمعید سے اسی کی خاطر لڑتا رہا تھا۔ اس نے لبوں پر چپ کا تالا لگا لیا تھا۔ اور اپنی اسی بات پر قائم تھا۔

''عبدالمعید تم محبت کھو کر بہت پچھتاؤ گے۔'' وہ بھائی کے دکھ پر دکھی تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں تم میری فکر نہ کرو۔'' کتنا مشکل امر ہوتا ہے محبت..... کسی کا ٹوٹتا بھرم جوڑنا۔ اسے اپنی محبت اور آہنہ کا بھرم رکھنا تھا۔ وہ آہستگی سے درد اندر اتارتے ہوا بولے۔ اس کے افسردہ لہجے نے عبدالمغیث کو مصلحتاً خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ وہ ساری تفصیل مما، بابا اور بہنوں سے سن چکا تھا۔ اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی۔ اسے چند گھنٹے آرام بھی کرنا تھا۔ اس نے الوداعی کلمات اور اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر کے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

جامد خاموشی تھی۔ ساکت فضا و سناٹا۔ جو کئی روز سے اس کی زندگی پر بھی پھیلا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ سب نارمل تھے۔ کسی نے کوئی باز پرس کی تھی اور نہ لعن طعن۔ عبدالمعید نے اس کا مطالبہ بھی مان لیا تھا۔ وہ اسے طلاق دینے پر راضی تھا۔ مگر آہنہ کا دل..... معلوم نہیں اس دل نے نہ جانے کیوں بغاوت و ملامت شروع کر دی تھی۔ وہ اسی کا حمایتی بنا جا رہا تھا اور وہ..... بے بسی سے اپنے ہی دل کو عبدالمعید کا ہوتا دیکھ رہی تھی۔ زندگی کس دوراہے پر آ گئی تھی۔

وہ پاس تھا تو اس نے قدر نہ کی اور اب وہ جدائی کے لیے بہ آسانی مان گیا تھا تو دل سہار رہا تھا۔ وہ انجانے میں وقاص سے اس کا تقابل کرتی۔ کیسی محبت تھی وقاص کی۔ جس نے محبت کرتے ہوئے بھی اسے زندگی کے محاذ پر تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اور کیسی محبت تھی عبدالمعید کی جس نے پورے خلوص سے اسے چاہا تھا اس کی تمام تر نفرتوں کے باوجود۔ اس کی ہر بدتمیزی برداشت کی تھی اور مشکل وقت میں سارا الزام خود پر لے لیا تھا۔ بابا اور بڑے تایا اس سے سخت خفا تھے جبکہ باقی سب کو اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ عبدالمعید اسے طلاق دینا چاہتا ہے۔ وہ تو اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا۔ اس کے لیے ہر کٹھنائی سہہ جانے والا..... پھر اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

فضا گھٹن زدہ ہو گئی تھی۔ ماحول مکدر تھا۔ کوئی بھی اس موضوع پر بات نہ کرتا جیسے سبھی کسی معجزے کے منتظر ہوں۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

www.zemtime.com

اور اصل بے یقین تو وہ خود تھی نہ جانے کب اور کیسے عبدالمعید اس کے دل پر قابض ہو گیا تھا۔ اُدھر سے کسی نے رابطہ نہ کیا۔ اور اس کا ننھا دل ہر وقت احساسِ جدائی سے ہراساں رہتا، اسے وقتی خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ لگتی تھی۔

''لوٹ آؤ عبدالعمید۔'' وہ ہار گئی تھی خود سے..... اس نے اقرار کر لیا تھا کہ دل صرف اسی کی سنگت کا متمنی ہے۔ دراز قد، گورا چٹا، سلجھا ہوا، ہینڈسم عبدالمعید اس کے دل پر شب خون مار چکا تھا۔ دل میں اسی کے نام کی ہوک اٹھی تھی۔ محبت صرف قربت کا نام نہیں ہے یہ عزت و احترام کا بھی نام ہے۔ یہ دھیان اور خیال کرنے کا نام ہے جو مقام و عزت اسے عبدالمعید دے سکتا تھا۔ وہ اسے وقاص نہیں دے سکتا تھا اور وہ نادان وقاص کی خاطر مخلص محبت کو ٹھکرا رہی تھی۔ وہ خودداری و عزت کے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ دل نے اسی کی ہمراہی کو مان لیا تھا مگر آہ..... آہ کب اور کس وقت۔ جب وہ اپنی نادانی میں اپنی ساری کشتیاں جلا چکی تھی۔

نہ جانے وہ اس کے بارے میں کیا سوچتا ہو گا اس کا عبدالمعید کی نظروں میں کیا مقام رہ گیا ہو گا۔ وہ کرب سے پہلو بدل کر رہ گئی۔

عبدالمعید نے نکاح جیسے مقدس رشتے کا بھرم رکھ کر اس کا دل جیت لیا تھا اس کے اندر گھٹن بڑھنے لگی۔ گھٹن کم کرنے کو آنسو ہی آخری سہارا تھے۔ دکھ تو یہ تھا کہ وہ کسی کے سامنے اعترافِ جرم بھی تو نہیں کر سکتی تھی تا کہ وہ اس فرشتہ صفت انسان سے معافی مانگ سکے۔ آنسو آنکھوں سے بے تحاشا بہنے لگے تھے۔

☆☆☆

''میں ریزائن دے کر پاکستان آ رہا ہوں۔'' اس کا دل کام میں بالکل نہیں لگتا تھا۔ اسے عبدالمعید کی فکر تھی۔ اس نے بھائی کو میسج کیا اور حسبِ توقع چند لمحوں بعد اس کی کال بھی آ گئی۔

''عبدالمغیث تم ایسا کچھ بھی نہیں کرو گے۔'' وہ اسے اپنا مستقبل داؤ پر لگانے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

''کیوں؟'' وہ استفہامیہ لہجے میں تیکھے پن سے بولا۔

''تمہارا فیوچر تباہ ہو جائے گا۔'' عبدالمعید ٹھہرے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

''بھلے تمہاری زندگی تباہ ہو جائے، اب یہ مت کہنا کہ تم میری فکر مت کرو۔'' وہ تلخی کی انتہا پر تھا اور بنا ثبوت کے بھی جان سکتا تھا کہ عبدالمعید آہنہ سے جدا ہو کر مر جائے گا۔

''تم چاہتے کیا ہو آخر؟'' عبدالمعید دوراہے پر کھڑا تھا۔ وہ اپنی سال سے کم کی ازدواجی زندگی کسی سے شیئر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے اپنی ہی نہیں آہنہ کی عزت بھی بے حد عزیز تھی۔ وہ کیسے اسے بدنام کر سکتا تھا۔ وہ بے غیرت مردوں میں سے نہیں تھا جو عمر بھر کا ساتھ نبھانے کا وعدہ کر کے بھی عورت کی عزت کے امین بن کر بیچ چوراہے میں عورت کی عزت اچھالتے ہیں۔ وہ اسے عمر بھر کا ساتھی بنانا چاہتا تھا مگر وہ ساتھ رہنے پر تیار ہی نہ تھی تو اس کا بھی اخلاقی فرق بنتا تھا کہ وہ اس کی عزت کا امین بنا رہے۔ عبدالمعید بری طرح زچ ہوا۔ وہ دوست جیسے بھائی کے سامنے بھی نہیں کھلنا چاہتا تھا۔

''جو میں کہوں گا تم وہی کرو گے سمجھے۔'' عبدالمغیث کے پاس پلان تیار تھا۔ وہ بالا ہی بالا اس پلان میں مشعل کو (آہنہ کی بہن) کو بھی شامل کر چکا تھا۔

''او کے۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

''تم مما اور بابا کی فکر نہ کرو۔ انہیں میں قائل کر لوں گا۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ وہ نیم رضامند تھا۔ اگرچہ اسے بھائی کے پلان کی کامیابی کے چانسز کم لگ رہے تھے مگر وہ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا سو اس نے ہامی بھر لی تھی۔

''مایوسی کفر ہے عبدالمعید۔'' اس کے ہامی بھرنے کی دیر تھی کہ عبدالمغیث خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ مایوس نہیں تھا اور بڑے بھائی کو بھی مایوس نہیں ہونے دے رہا تھا۔ اس نے بھرپور تسلی دی تھی۔

اِدھر عبدالمعید کے دل کو بھی ڈھارس ہوئی تھی۔ بابا اور مما کو پلان میں شامل کرنے کی ذمے داری عبدالمغیث کی تھی اور وہ بھائی سے بات کرنے کے بعد

www.zemtime.com

اگلے لائحہ عمل پر غور کرنے لگا۔

ابھی موسم نہیں بدلا
ابھی کلیوں میں سرخی ہے
ابھی تو آسمانوں پر
گھنے بادل کا پہرا ہے
ابھی ساون سنہرا ہے
گلابوں کا حسیں موسم
تمہارا نام لیتا ہے
ابھی سرسوں بھی پھولی ہے
ابھی مستی ہے لہروں میں
ابھی انجان رستوں میں
تمہارے نقش باقی ہیں
تمہارے عکس باقی ہیں
تمہارے رقص باقی ہیں
تو اس فصلِ محبت پر
خدارا لوٹ آؤ ناں
ابھی موسم نہیں بدلا

محبت ہمیں اپنے ساتھ کٹھنائیاں ضرور لاتی ہے۔ محبت ہو اور کوئی کٹھنائی یا درد ہمراہ نہ ہو، یہ ناممکنات میں سے ہے۔ کم از کم اسے تو یہی لگتا تھا۔ وہ یہاں آ تو گئی تھی لیکن اس کا دل نہیں لگا تھا حالانکہ کوئی بھی اس سے خفا تھا اور نہ ہی لاتعلق۔

سبھی نے اسے پھر ہتھیلی کا چھالا بنا لیا تھا۔ گھر میں دادو نے اس رشتے کی سب سے زیادہ تائید کی تھی اور اب وہی پچھتاوؤں میں گھری ملول رہتی تھیں۔ وہ حمیرا پھپھو کو بھی لتاڑتی رہتیں محض اس کی محبت میں مگر اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔

دل جس سے لگ چکا تھا اس نے تو پلٹ کر یہ بھی نہ پوچھا تھا کہ تم جیتی ہو یا مر گئی ہو۔ وہ تو اس کی محبتوں کی اتنی عادی ہو گئی تھی کہ اب اس کا ستم سہا نہیں جا رہا تھا۔ خزاں رُت ہر سو چھائی تھی۔ اور اِک کہر اور پژمردگی اس کے دل پر چھائی تھی۔ وہ ٹیرس کی ریلنگ پر جھکی نیچے لان میں صبح سے جاری ہلکی بوندا باندی دیکھ رہی تھی۔ خشک موسم میں خوشگواری رچ گئی تھی۔ آنکھوں میں کب یادوں نمی بن کر ڈیرا ڈالا اسے خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ آنسو آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ وہ برستی بارش میں آنسو بہا رہی تھی۔

''لوہا گرم ہے تم جلدی سے چوٹ لگاؤ۔'' اس کی اول روز سے بدلی کیفیت نے مشعل کو چونکا دیا تھا۔ گھر میں کوئی اس سے باز پرس نہیں کرتا تھا، اس نے بہن کو ایک آدھ بار کریدنے کی کوشش کی مگر اس نے اپنا بھید خاموشی کی دبیز تہ میں لپیٹ لیا تھا، سونے پر سہاگا کہ عبدالمغیث کا میسج آ گیا۔ اسے ساری صورتِ حال اسی سے معلوم ہوئی تھی۔ مشعل نے آہنہ کی پک کھینچ کر اسے واٹس ایپ کر دی اور ساتھ ہی ٹیکسٹ میسج بھی۔

''تھینکس اے لاٹ سسٹر۔'' ریپلائی فوراً آیا تھا۔ سب عبدالمغیث کے حسبِ توقع ہو رہا تھا۔ واقعی لوہا گرم تھا۔

''آہنہ بھابی آپ نے میرے بھائی کو بہت تڑپایا ہے۔ آپ بھی ذرا تڑپ لیں۔'' وہ روشن اسکرین پر نگاہ ڈالتا شوخی سے سوچتا ہوا مسکرایا تھا۔

''بھیا میرا کہیں نام نہ آئے۔'' آہنہ کو ذرا سی بھی بھنک پڑ جاتی تو اس کی شامت یقینی تھی۔ مما بھی اس کے لیے متفکر تھیں۔ اسے عبدالمغیث کی مدد کرنا ہی مناسب لگا تھا۔ وہ بہن سے بھی خفگی مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ آہنہ اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتی تھی۔ مشعل نے یقین دہانی اپنی تسلی کے لیے چاہی تھی۔

''ڈونٹ وری سوئٹ بہنا۔'' عبدالمغیث یاروں کا یار تھا۔ اسے بھید رکھنا آتے تھے۔ اس نے فوراً یقین دہانی کروائی تو مشعل مطمئن ہو گئی۔

☆☆☆

لاؤنج میں سبھی بڑے سر جوڑے بیٹھے تھے۔ کچھ دیر قبل اسلم صاحب کا فون آیا تھا۔ انہیں دادو سے ضروری بات کرنا تھی عبدالمغیث نے انہیں بڑی منتوں اور کوششوں سے قائل کیا تھا۔ مما بھی محض بیٹے کی محبت میں مان گئی تھیں۔ انہیں ماں کی ناراضی کی بھی فکر تھی۔ وہ خوش آئند مستقبل کا تصور کر کے دل مضبوط کر چکی تھیں۔ سوئے اتفاق دادو دوا کھا کر ریسٹ کر رہی تھیں۔ سبھی طرح،

www.zemtime.com

طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ آہنہ کا دل کسی انہونی کے تصور سے لرزا تھا۔ وہ ہراساں و وحشت زدہ سی ٹکر، ٹکر سب کی صورت تک رہی تھی۔ بے چینی و اضطراب اسے کسی پل قرار نہیں لینے دے رہا تھا۔ بے کلی دل کی دھرتی سے لپٹی جا رہی تھی۔ گھبراہٹ کے مارے عجب بے سکونی طاری تھی وہ کبھی اٹھ کر ٹہلتی تو کبھی کونے میں صوفے پر جا بیٹھتی۔ وہ وحشت زدہ سی ٹہل رہی تھی کہ فون کی بیل بجی۔ دادو بھی جاگ چکی تھیں۔ آہنہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''نہیں، نہیں۔ عبدالمعید مجھے طلاق نہیں چاہیے۔''

وہ مضطرب ہو کر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے بلی سے ڈرے کبوتر کی طرح معصومیت سے آنکھیں بند کر کے زیرِلب بڑبڑائی تھی۔ لاؤنج میں صور اسرافیل کی طرح فون کی بیل دوبارہ بجی تھی۔ کسی میں بھی کال ریسیو کرنے کی ہمت نہ تھی یوں جیسے سبھی کو الہام ہو گیا ہو کہ اسلم ان سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔

''ہیلو.....'' مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق دادو نے ہمت کر کے کال ریسیو کی۔ ان کا بوڑھا دل لرز رہا تھا۔ اب اس بڑھاپے میں کوئی بری خبر سننے کی تاب نہ تھی۔ انجانے خدشے کے تحت ان کی آواز ہی نہیں وجود بھی کپکپا رہا تھا۔ آہنہ کا دل سکڑ کر سمٹا تھا۔ منجھلے تایا نے فون کا اسپیکر آن کر دیا۔

''اماں جان ہم دو روز میں کورٹ میں کیس فائل کرنے جا رہے ہیں۔ آپ کو چند روز میں ڈائیورس پیپرز مل جائیں گے۔'' پیغام تھا کہ بم..... سب کو ادھموا کر گیا تھا۔ اسلم نے بیٹے کی ہدایت پر دبنگ انداز میں پیغام پہنچایا اور فون بند کر دیا۔ مبادا اماں جان ان کی کلاس لے لیں۔ لاؤنج میں موجود سبھی نفوس کو سانپ سونگھ گیا۔ آہنہ کی حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں جیسی تھی۔ محبت نے درِ دل پر کسی معجزے کی طرح دستک دی تھی اور اس نے گرم جوشی سے سواگت کیا تھا مگر.....

''محبت میں ہمیشہ درد ہی کیوں ملتا ہے؟'' وہ صدمے سے ڈھے گئی۔ وہ ساکت نظروں سے ٹکر، ٹکر سب کو دیکھ رہی تھی۔ مما اور منجھلی تائی اسے سینے سے لگائے روئے جا رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے کوئی آنسو نہ ٹپکا تھا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' آہنہ وحشت سے خود کو چھڑا کر تیز سے باہر نکل گئی۔ شہریار بھیا اور تایا اس کے پیچھے لپکے تھے۔

''اپنے گھر.....'' وہ لاؤنج سے آخری قدم باہر نکالنے سے پہلے بولی تھی۔ یہ دوسرا دھماکا تھا۔ جس نے سب کو حواس باختہ و ششدر کر دیا تھا۔

''رک جاؤ بچے۔'' وہ فیصلہ سنا کر جا چکی تھی، تایا اور شہریار اس کے پیچھے تھے۔ دادو نے انہیں آواز دی۔

''جانے دو اسے۔'' ان کا جہاندیدہ ذہن اس فون کال کے زودرس نتائج دیکھ رہا تھا۔ آہنہ کی اتنے دنوں سے دگرگوں حالت کسی سے بھی پوشیدہ نہ تھی۔ تایا اور شہریار بھیا رک گئے۔ ان کے دل آہنہ کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھے۔

☆☆☆

''سمجھا لو اپنے لاڈلے کو اگر ذرا سی بھی اونچ نیچ ہوئی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' سہیل ولا فون کرنے کے فوراً بعد عبدالمغیث کو انہوں نے وڈیو کال ملائی تھی وہ اس وقت فارمیسی میں تھا۔ اس نے فوراً کال پک کی تھی۔ حمیرا، اسلم بادلِ ناخواستہ پلان کا حصہ بنے تھے۔ وہ اماں جان کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے مگر عبدالمغیث نے انہیں منا لیا تھا۔ اسلم نے بیٹے کو دیکھتے ہوئے بیوی کو وارننگ دی تھی۔ وہ بھی انجانے وسوسوں میں گھری ہوئی تھیں۔ وہ بے بسی سے باپ، بیٹے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

''بابا ڈونٹ وری، ان شاء اللہ کچھ بھی نہیں ہو گا۔'' اس ہنگامی اور سنسنی خیز صورتِ حال میں وہی مطمئن تھا۔ عبدالمعید کا دل بھی واہموں میں ڈوبا تھا اس نے تسلی دی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' اسلم نے دل سے دعا کی تھی وہ یک دم بے حد بوڑھے لگنے لگے تھے۔

☆☆☆

www.zemtime.com

وقاص کے باپ نوید کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ ان کی حالت بے حد سیریس تھی۔ وہ بیٹے کے لیے بہت دکھی اور افسردہ تھے۔ وہ جاتے ہوئے اپنے پیچھے ساری کشتیاں جلا گیا تھا، اس نے گھر والوں سے رابطہ محض رقم بھیجنے تک کا رکھا تھا۔ وہ سال بھر سے کسی کے کانٹیکٹ میں نہیں تھا۔ وہ ماں سے بھی خفا تھا جو اس کے لیے کچھ نہیں کر پائی تھیں۔ رابعہ الگ ہر وقت اسے یاد کر کے آنسو بہاتی رہتی تھیں۔ عباس اور ایشل بھی اسے بہت یاد کرتے۔ گھر کسی کھنڈر کی طرح ویران ہو گیا تھا۔ رابعہ نے خود رضا سے رابطہ کر کے وقاص کا نمبر لیا تھا کہ وقاص رقم اسی کے ذریعے بھیجتا تھا۔ رضا بھی حقیقتِ حال جان کر بہت حیران ہوا تھا۔ رضا اور عباس، نوید کے پاس دن رات اسپتال میں تھے۔ اس کڑے وقت میں رضا نے بہت ساتھ دیا تھا۔ نوید آئی سی یو میں تھے۔ عباس نے اسپتال کے کاریڈور میں مصلیٰ بچھائے شوہر کی زندگی کی گڑگڑا کر رب سے بھیک مانگتی رابعہ کو موبائل تھمایا تھا۔

''ہیلو۔'' رابعہ نے موبائل کان سے لگا کر رندھی آواز میں کہا۔ وقاص ماں کی غیر متوقع آواز سن کر بھونچکا رہ گیا۔ اس کا عرصے سے سخت دل پل بھر میں موم ہوا تھا۔

''امی آپ!'' جذبات کی شدت سے اس کی آواز بھیگ گئی۔

''بیٹا تمہارے ابو کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' رابعہ نے رندھے لہجے میں اطلاع دی۔ وقاص کے ہاتھ سے فون گرتے، گرتے بچا تھا۔ وہ ان سے لاکھ خفا سہی مگر اس نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ دل قطرہ قطرہ درد سے پگھل رہا تھا۔

''کب ہوا یہ سب؟'' لفظ ٹوٹ، ٹوٹ کر لبوں سے بکھرے تھے۔

''لوٹ آؤ بیٹا وہ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔'' وقاص کا دکھ انہیں اندر ہی اندر چاٹ گیا تھا۔ وہ اس کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ رابعہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔

''وکی، یار ابو تمہارے لیے بہت پریشان ہیں۔'' رابعہ سے مزید بات نہ ہو سکی۔ آنسوؤں کا گولہ حلق میں پھنس کر رہ گیا تو عباس نے ان سے فون لے لیا۔ عرصے بعد اس کی آواز سن کر دل کی عجب کیفیت تھی۔ وہ وقتی طور پر ابو کی بیماری کی پریشانی بھلا بیٹھا تھا وقاص اس سے ابو کی طبیعت کے متعلق پوچھنے لگا تھا۔

☆☆☆

گھر کی سوگواری خاموشی کو صورِ اسرافیل کے مانند چیرتی تیز ڈور بیل نے توڑا۔ بابا لنچ کے بعد آفس چلے گئے تھے۔ عائلہ اور نائلہ اپنے کمرے میں اسٹڈی، ممبا نماز عصر کی تیاری کر رہی تھیں۔ عبدالمعید کا موڈ آفس جانے کا نہیں ہوا تھا۔ وہ باہر لان میں آ گیا تھا۔ اسے اپنے کمرے میں وحشت ہوتی تھی۔ کمرے کے چپے، چپے میں آہنہ کی یادیں بکھری تھیں۔ وہ پلکیں موندے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھا تھا کہ آہٹ پر چونکا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اگلے پل حیرت کی شدت سے بت بنا کھڑا رہ گیا۔

وہ وہی تھی۔ بالکل ویسی تر و تازہ، نازک، حسین مگر چند روز میں ہی کمزور سی ہو گئی تھی۔ عبدالمعید پلکیں جھپکے بنا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی سپنا ہو۔ جو آنکھ میچنے سے ٹوٹ جائے گا۔

''آئی لو یو عبدالمعید۔'' وہ کئی روز سے ٹوٹ کر بکھری تھی اور بکھر کر اپنی ذات کی کرچیاں سمیٹی تھیں۔ وہ روتے ہوئے اس کے سینے سے آ لگی تھی۔ عبدالمعید کو حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا تھا۔ اس کے دونوں بازو پہلو میں گرے ہوئے تھے۔ وہ زار و قطار بلک، بلک کر رو رہی تھی۔ اس کے گرم آنسو اس کا گریبان بھگونے لگے تھے۔ اسے حیرت پر قابو پا کر سنبھلنے میں کچھ دیر لگی۔ وہ ہنوز آنسو بہائے جا رہی تھی۔ اس نے اپنے بے جان بازو اٹھا کر آہنہ کے گرد تسلی کے انداز میں لپیٹ دیے۔ اس نے جو سنا تھا آہنہ کے تیزی سے بہتے آنسو اس کی گواہی دے رہے تھے۔ عبدالمعید نے اس کے گرد اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

''تم بہت برے ہو۔'' وہ خاموش تھا۔ اس نے

www.zemtime.com

محبت سے آہنہ کا چہرہ اوپر کر کے اس کے آنسو پونچھے تو وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''کیا پھر بھی میرے ساتھ رہ لو گی؟'' شوخی و حاضر جوابی لوٹ آئی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ عبدالمعید اس کا ہاتھ تھامے اندر بڑھ گیا۔ اسے اندر بھی خوش خبری سنانا تھی۔ آہنہ اس کی محبت بھری سنگت میں پُریقین تھی کہ اندر بھی محبتیں اس کا بھرپور سواگت کریں گی۔ وہ اس کے ہمراہ آگے بڑھی۔

☆☆☆

نوید ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے تھے۔ وہ تو جیسے بیٹے کو دیکھتے ہی جی اٹھے تھے۔ رابعہ کچن میں ان کے لیے پرہیزی کھانا بنا رہی تھیں۔ بچے، باپ کے گرد ڈیرا ڈالے تھے۔ گھر کی رونق لوٹ آئی تھی۔ زندگی جیسے مسکرانے لگی تھی۔ وقاص بے حد نادم تھا۔ اس کی اسی تصور سے روح تک کانپ جاتی تھی کہ اگر ابو کو خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو کیا ہوتا۔ وہ تاعمر خود کو معاف نہیں کر پاتا۔ اور خود کو اپنے گھرانے کی خوشیوں کا قاتل سمجھتا۔

''وقاص مجھے اس لڑکی کا ایڈریس دو بیٹا۔'' نوید نے بیٹے کے مسکراتے چہرے پر نظر ڈالی تھی۔ وہ پشیمان تھے۔ انہوں نے ہمیشہ ہر معاملے میں اپنی چلائی تھی تو بیوی کی رائے کو اہمیت دی اور نہ ہی اولاد کی پسند کو اہمیت۔ وہ اس کی شادی اپنے جگری دوست کی بیٹی سے کر کے اپنی پرانی دوستی، رشتے داری میں بدلنا چاہتے تھے۔ انہیں کبھی احساس ہی نہ ہوا کہ وہ اپنے گھر والوں سے کتنی زیادتی کر رہے ہیں۔ وہ اب اپنی ہر غلطی سدھارنا چاہتے تھے تاکہ ان کا گھر خوشیوں سے بھرا رہے۔

''ابو وہ اب میرڈ ہے۔'' بھائی سے بات کرتا وقاص چونکا تھا۔ اس نے چند ثانیے نرم گوئی سے بات کرتے باپ کو تحیر سے دیکھا۔ وہ اسی کو استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وقاص آہستگی سے گویا ہوا۔ دل میں اک کانٹا کھبا تھا۔ یاد درد بن کر پورے وجود میں دوڑ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر اذیت تھی۔

''اوہ!'' وہ نادم تھے۔ انہیں یاد آ گیا تھا انہی دنوں لڑکی کے کسی کزن کا رشتہ آیا ہوا تھا جبھی تو وقاص ہتھیلی پر سرسوں جمانے کو تھا۔ پل بھر کو ماحول پر تناؤ چھا گیا۔

''مجھے معاف کر دو بیٹا۔'' نوید اس کے بغیر کتنا تڑپے تھے وہی جانتے تھے۔ انہوں نے اب جانا تھا کہ اولاد کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

''ابو پلیز، مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ نہیں، میں غلط تھا۔ مجھے یوں گھر چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔'' اس کی چھٹی ختم ہونے والی تھی۔ وہ اپنی چھٹیاں اب بھرپور انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے باپ کو بچوں کی طرح گلے لگا لیا۔

''تم مجھے اب چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے ناں؟'' وہ کسی بچے کی طرح معصومیت سے بولے تھے۔

''ابو مجھے اپنا کنٹریکٹ تو مکمل کرنا ہے۔ جانا پڑے گا۔'' اس نے بتایا تو سبھی اداس ہو گئے۔ کسی کو بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ واپس بھی جا سکتا ہے۔ رابعہ شوہر کے لیے پرہیزی کھانا تیار کر کے لے آئیں۔ وہ بھی اس کی واپسی کا سن چکی تھیں۔

''امی میں آپ سے رابطے میں رہوں گا۔ آپ میرے آنے سے پہلے لڑکی ڈھونڈ لیجیے گا۔'' وقاص نے شوخی سے ماں کو چھیڑتے ہوئے ماحول پر چھائی اداسی کم کرنا چاہی تھی۔

''ان شاء اللہ۔'' وہ اسے سینے سے لگا کر روتی ہوئی مسکرا دیں۔ وقاص نے ان کا ماتھا چوم لیا۔

''تم منہ ہاتھ دھو لو، میں کھانا لگاتی ہوں۔ بریانی اور کھیر بنائی ہے تمہارے لیے۔'' رابعہ نے اس کی فیورٹ ڈش بنائی تھی۔ وہ خوش دلی سے مسکراتا ہوا منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔

اس کے دل کا اک کونا ویران ہی رہنا تھا جو لوگ محبت کے محاذ پر بزدلی یا کم ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہیں محبت ان سے روٹھ جاتی ہے۔ اس کی محبت بھی اس سے روٹھ گئی تھی۔ آنکھ کے کنارے پر اک آنسو آ کر ٹک گیا۔ اس نے آئینے میں خود کو بغور دیکھتے ہوئے آنسو پونچھا اور منہ دھونے لگا۔ مجازی محبت والدین کی محبت کے سامنے ہار گئی تھی۔ ماں کے ہاتھ کی بنی بریانی کی اشتہا انگیز خوشبو ماحول میں پھیلی تھی۔

www.zemtime.com